عملی تعلیم قرآن

کی نسبت نواب میر نظامت جنگ بہادر کی تقریر و تحریر وغیرہ
جو میلاد شریف کے جلسہ میں یا کسی اور موقع پر ہوئی تھی

منجانب

انجمن علم و عمل

بہ اجازت صدر نشین صاحب

باہتمام

نور الاسلام مددگار معتمد انجمن

۲۴ ذیحجہ سنہ ۱۳۶۲ھ ... ۲۰۰۰ ... ۲۲ بہمن سنہ ۱۳۵۳ف

مطبع دار الکتابت طبعی

عملی تعلیم قرآن

کی نسبت نواب سر نظامت جنگ بہادر کی تقریر و تحریر وغیرہ

جو میلاد شریف کے جلسہ میں یا کسی اور موقع پر ہوئی تھی

منجانب

انجمن علم و عمل

بہ اجازت صدر نشین صاحب

باہتمام

نور الاسلام مددگار انجمن

۱۳۶۲ھ ۲۲ ذی الحجہ .... ۲ .... ۲۲ بہمن ۱۳۵۲ف

مطبع دار الکتابت میں طبع ہوئی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رسول اکرمؐ کی یاد منانے کا صحیح طریقہ

فَاذْكُرْ إِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ

الحمد للہ رب العالمین

...نے انسان کو عمل صالح کا راستہ بتایا اور مسلمانوں کی ہدایت کے لیے اس راستہ پر چلکر رہنمائی کرنے کے لیے ایسے ہادی کو بھیجا جن کے عمل نے ایک نئی دنیا قائم کر دی جس کی تہذیبی اور تمدنی قوت حُسنِ اخلاق پر مبنی ہے۔

یہ واقعہ دنیا کی تاریخ میں ایک عظیم الشان یادگار ہے اور ہر سال اس واقعہ کی یاد تازہ کرنے کے لیے مبارک ماہ ربیع الاول میں میلاد النبیؐ کے جلسے ہوا کرتے ہیں اگرچہ مدت دراز سے

یہ عمل جاری ہے لیکن جہانتک دیکھا گیا اس سے بہت کم عملی نتیجہ ظاہر ہوا اور یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ ابتک ان جلسوں کی برکت سے ہم مسلمانوں کو اس راستہ پر چلنے کی توفیق ہوئی ہے جو رسول اللہؐ نے خود اپنے عمل سے (یعنے نفس کو پاک کرتے ہوئے اور اپنی قوت کو بڑھاتے ہوئے قومی ترقی کا باعث ہونا) مسلمانوں کو بتایا تھا۔

یہ مسلّمہ امر ہے کہ قوم مجموعہ افراد ہے جیسے اس کے افراد ہونگے ویسی ہی قوم ہوگی۔ اگر اسلام کی تعلیم و تربیت نے تیرہ سو سال قبل ایک جاہل و گمراہ قوم کو اس درجہ تک پہنچا دیا تھا کہ اس میں سے وقت واحد میں صدہا مجاہدین فی سبیل اللہ عمل کے میدان میں آکر دنیا کے کاروبار کی اصلاح میں مشغول ہوگئے تھے تو کیا اب بھی یہ ممکن نہیں کہ صحیح اسلامی تعلیم و تربیت سے صدہا بلکہ ہزارہا نیک بندے قوم کی خدمت کے لیے تیار کیے جائیں۔ اگر اس کو ہم ناممکن سمجھیں تو خدا کے فضل و کرم سے مایوس ہونے کا الزام اپنے اوپر خود عاید کریں گے۔

ذرا اس پر غور کرو کہ کیا ہم اپنے ہادیؐ کے کارناموں کو اپنے دلوں سے محو ہونے دے سکتے ہیں۔ نعوذ باللہ۔

کیا ہم اس کو بھول سکتے ہیں کہ اسلامی دنیا جسکی عمر اس وقت
تیرہ سو برس سے کچھ زائد ہے وہ ایک عمر پر مبنی ہے جو تریسٹھ سال
کی تھی اور جسکے آخری تئیس سال جہاد فی سبیل اللہ کے تھے
اور اس مدت کا آدھا حصہ ایسے سخت مصائب پر مشتمل تھا جو
عموماً انسان کے لیے ناقابل برداشت سمجھے جاتے ہیں لیکن
دیکھو کیا وہ مایوسی پہ ختم ہوا۔ ہرگز نہیں۔ اس نے کامیابی کی
قوت کو اور بڑھایا اور اس کامیابی کا نتیجہ ثابت ہوا جسکی
نظیر تاریخ پیش نہیں کرتی اس خیال کو ہمیشہ اپنے دل میں رکھو کہ چند سال
کے کام میں اسلامی دنیا کو تعمیر کیا اور اس چند سال کے کام پر
اسلام کی دوامی عمارت قائم ہے اور اسکی حفاظت ہر مسلمان کے
ذمہ ہے۔

میلاد النبی کے جلسے اس واسطے ہیں کہ آنحضرت صلعم
کی یاد تازہ ہوتی رہے اور اسلامی کام جاری رہے یعنی قوم کو عمل کے
راستہ پر لایا جائے اور یہی سب سے بہتر طریقہ آنحضرت صلعم کی یاد منانے کا ہے
سچا مومن قرآنی مفہوم میں وہی ہو سکتا ہے جس کا ایمان
اس کو عمل صالح کا پابند کرے اور جو اپنے ایمان کا ثبوت اپنے کام

سے دیتا ہے۔

۱) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ آمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الخ

مومن وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے اور پھر بے شک ڈگمگائے نہیں اور اپنی جان اور مالوں کے ساتھ اللہ کے راستہ میں کوشاں رہے۔ یقیناً وہ سچے ہیں۔

اللہ اور رسولؐ کو ماننا دل کا فعل ہے نہ کہ زبان کا۔ وہ اتنا ہی کہتا ہے اگر ہم زبان سے تو کہیں کہ مانتے ہیں لیکن ان کے احکام و ہدایت پر عمل نہیں کرتے ایسی خلاف ورزی شاید نہ ماننے سے بدتر ہے۔

قرآن مجید میں ہم سے سوال ہوتا ہے

۲) یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ

اے مومنو کیوں وہ کہتے ہو جو تم نہیں کرتے۔

دیکھو کیسا سخت الزام ہے اگر ہم اپنے آپ کو اس الزام سے بری کرنا چاہیں تو کیا بجز عمل کے کسی اور طریقہ سے برات ہو سکتی ہے۔

عمل صالح کا ارشاد قرآن مجید میں سو سے زیادہ مقامات پر پایا جاتا ہے گویا ایمان اور عمل صالح کو لازم و ملزوم قرار دیا گیا ہے۔ اور ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا۔ کیوں کہ ایمان دل کی کیفیت ہے جو عمل ہی سے ظاہر اور مکمل ہوتی ہے۔ عمل صالح حسب منشا قرآن مجید صرف عبادت کی حد تک محدود نہیں ہے وہ انسان کے کل اعمال و افعال پر اور جملہ کاروبار و معاملات زندگی پر حاوی ہے مسلمانوں کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ وہ نماز۔ روزہ۔ زکوۃ وغیرہ کی ظاہری پابندی کرنے کے بعد اپنے آپ کو بری سمجھیں بلکہ ان کا سب سے اہم فرض یہ ہے کہ اپنی زندگی کو صحیح طریقہ سے سیدھے راستہ پر لائیں۔ ہر کام میں ان کا عمل قرآنی معنی میں صالح ہو اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ وہ بدی سے پلٹ کر نیکی کی طرف رخ کریں اور اپنے جملہ تعلقات اور روزمرہ کے کاروبار میں راستبازی نیک نیتی۔ ہمدردی۔ اخوت۔ اتحاد۔ انصاف۔ سخاوت۔ مروت اور خوش خلقی وغیرہ سے کام لیں اور یہ سمجھیں کہ حیات دنیا ان کے امتحان کے لیے ہے اور اس امتحان پر ہی آخری فیصلہ کیا جائے گا۔

مومن محسن متقی وغیرہ کے جو اوصاف قرآن مجید میں بیان
کیے گئے ہیں ان پر سے اخلاق حسنہ کی مکمل فہرست بن سکتی ہے۔ اور
اسی طرح جو اوصاف منکر یعنے ناپسندیدہ قرار دیے گئے ہیں ان کی بھی
فہرست آیات متعلقہ سے مرتب ہو سکتی ہے۔

ایسی فہرستیں بنا کر عوام کو توجہ دلانا ایک ضروری اسلامی کام
ہے جو ہر مسلمان کو کرنا چاہیئے۔

ہماری مقدس کتاب ہمارے لیے مکمل دستور العمل ہے۔
اس میں انسان کے معمولی اور غیر معمولی کاموں کا ذکر ہے اگر زاہد و عابد
کے لیے یہ اشارات ہیں تو حاکم کے لیے بھی ہدایات موجود ہیں سب کی
رہنمائی کی گئی ہے اور سبھوں کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ — تم میں خدا کے نزدیک عزت والا
أَتْقَاكُمْ۔ — وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔

ہر مسلمان پر لازم ہے کہ قرآن مجید کو خود سمجھے اور دوسروں کو
سمجھائے کیوں کہ وہ ہر دنیا کے لیے ہمارا دستور العمل ہے
جو احکام آسمان پر سے نازل ہوتے ہیں وہ زمین پر رہ کر کام

کرنے والوں کے لیے ہیں ان کی تعمیل سے ہی ہم کامیاب ہو سکتے ہیں۔ نہ کہ ان کی خلاف ورزی سے۔

یہ قابل افسوس امر ہے کہ مسلمانوں کے رواج نے قرآنی آیات کو عالمانہ مباحث کے غلاف میں بند کر رکھا ہے۔

کیا ہم اس غلاف کو دور کر کے اپنی ہی سمجھ سے ان صاف و صریح ہدایات کو اپنے دلوں میں نہیں لے سکتے؟ اس لحاظ سے ہماری غفلت و بے پروائی اور زیادہ قابل افسوس ہے۔

قرآنی ہدایات سے واقف ہونے میں سہولت پیدا کرنا اور سب کو اسکی ترغیب دلانا ہی سچی تبلیغ ہے اور یہ ہر شخص کر سکتا ہے اس کے لیے کسی کی محتاجی کی ضرورت نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کی سب سے بڑی تعریف یہ کی ہے کہ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔

اور ان کے حسن اخلاق کی وجہ سے ان کے اسوہ کو اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے۔ پس ہم پر ان کے عمل کی تقلید لازم ہے یا نہیں یا کیا ہمارے عمل کا قبلہ کوئی اور ہے یا ہو سکتا ہے؟

اپنے دل سے پوچھو کہ اس سے زیادہ مبارک اور مفید کام

مسلمان کے لیے اور کیا ہو سکتا ہے کہ رسول اللہؐ کے عمل کے راستہ پر اپنے عمل کو لانے کے لیے مناسب ذرائع پیدا کرے نہ صرف مسجد میں بلکہ ہر مسلمان کے گھر میں اس اہم کام کی ابتدا ہو سکتی ہے کسی مقام پر کیوں نہ ہو چند مسلمان باہم یہ وعدہ کر سکتے ہیں اور ضرور کریں کہ یہ بنیادی کام بلا تاخیر شروع کر دیں گے یعنی خود بھی قرآنی ہدایات سے واقف ہو کر اُن پر عمل کرتے رہیں گے اور اپنے متعلقین کو بھی اس طریقہ پر لانے کی کوشش میں سچے دل سے مصروف رہیں گے ایسے وعدہ کا ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے ملاحظہ ہو صفحہ (۱۳) جس پر اس وقت بعض مسلمانوں نے عمل شروع کر دیا ہے۔

اگر کسی کو عذر ہو کہ قرآن شریف کا سمجھنا آسان نہیں ہے تو اسکا یہ جواب کافی ہے کہ کوئی ایسا اچھا اردو ترجمہ لیکر پڑھو اور غور کرو اس کے بعد تم خود تصفیہ کر سکتے ہو کہ اخلاقی ہدایات سمجھ میں آتی ہیں یا نہیں۔ کیا سچ۔ جھوٹ۔ بدگمانی۔ غلط اتہام۔ تجسس۔ غیبت۔ دغا۔ فریب۔ سرقہ۔ اسراف۔ فضول خرچی۔ جھوٹی نمائش۔ بیہودہ رسومات۔ وغیرہ کی تباہکاریوں سے کسی کو انکار ہو سکتا ہے اسی طرح جو صفات اخلاق حسنہ میں داخل ہیں

ان کے سمجھنے میں کبھی کیا کوئی مشکل امر ہے۔ مختصر یہ کہ ہر گھر میں ایسی اسلامی تعلیم فوراً شروع ہو جائے اور اپنے لوگوں کو اس پہ پابند کرنے کے لیے میثاق سے کام لیا جائے۔ یہ طریقہ شروع سے چلا آتا ہے۔ خیال کرو کہ ہزاروں کی آبادی میں اگر چند گھر ایسے ہوں جہاں یہ کام پابندی سے ہوتا ہے تو رفتہ رفتہ یہ دائرہ کس قدر وسیع ہو جائیگا۔ یہ ہرگز نہیں بھولنا چاہئیے کہ جہاں کہیں ایک دو بھی سچے مسلمان ہوں وہاں اسلامی قومیت کا تصوّر موجود ہے اور اس کے اندر ایک ایسی قوت موجود ہے جس کو دنیا جانتی ہے۔

انفرادی طور سے یہ کام ہوتے ہوتے کوئی زمانہ ایسا آئیگا کہ سچے مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ ہر ملک میں موجود ہوگا اور وہ سب کام کرنے والے مسلمان ہوں گے اور ان کی حیثیت باقاعدہ جمعیت کی ہوگی۔ زمانہ سلف میں بھی عمل صالح سے ایسا ہی ہوا تھا اور اب بھی ایسا ہی ہوگا انشاء اللہ المستعان۔

اگر غور کرو تو اسلامی قومیت کا تصوّر ایک عجیب چیز ہے۔ اس نے غیر قوموں کو حیرت میں ڈال رکھا ہے وہ نہ تو حدود ارضی سے محدود ہے نہ مادی قوتوں کا محتاج کیوں کہ اسلام کی قوت اُن

غیر مجسم قوتوں کے مثل ہے جو قدرت کے کارخانہ میں ہر وقت اپنے
کام میں مصروف ہیں۔

جب کہ اصلاح کا کام ہر شخص خود کرسکتا ہے تو پھر کیا دیر ہے
آج ہی اور ابھی شروع کردو آج کا دن ہمارا ہے کل کا انتظار کیوں
میثاق کی اشاعت کے لیے مناسب ہوگا کہ ہر شخص دوسروں
کے سوا جہ میں اس کا عہد کرے اور یہ بھی وعدہ کرے کہ وہ کم از کم
پانچ شخصوں کو اپنا ہم خیال بنائیگا۔ جب مسلمان اس طرح پابند
ہوتے جائیں گے تو ان میں جذبہ عمل پیدا ہو جائیگا اور وہ بہت
سی اصلاحوں کی جانب مائل ہو جائیں گے۔ مثلاً زکوٰۃ کا روپیہ
جمع کر کے محلہ کے مستحقین کی حالت کو درست کرنا۔ بیوہ عورتوں اور
یتیم بچوں کی پرورش و تعلیم صنعت و حرفت و کسب معاش کے
ذرایع قایم کرنا وغیرہ وغیرہ ایسے کام قرآنی ہدایات کے مد نظر ہمارے
فرایض میں داخل ہیں اور ہمارے ہادیؐ کے عمل کے لحاظ سے ان
سے بڑھ کر اور کیا سنت ہو سکتی ہے۔ جب ہر محلہ میں چند ایسے اشخاص
کے جمع ہونے سے علم و عمل اسلامی کی مجالس قایم ہوتی جائیں گی تو
سب کے اغراض و مقاصد ایک ہی ہونے کی وجہ سے ان میں خود بخود

تعلق و اتحاد عمل پیدا ہوتا جائیگا اور جہاں تک ممکن ہو اصلی مقاصد کے حصول میں ایک دوسرے کی معاونت کر سکیں گے اور انشاء اللہ یہ مجالس اور انجمنیں ایک مضبوط زنجیر کی کڑیاں ہونگی اور ان کا نصب العین یہ ہوگا۔ عمل صالح سے قوم کو قوی بنانا۔

اگر میلاد النبیؐ کے ہر جلسہ میں ایسے کاموں کی رپورٹ پڑھی جاے اور آیندہ جو جو کام ہونے چاہئیں انکی نسبت تجاویز پیش ہوا کریں تو اس سے بیحد فائدہ ہوگا۔ ان جلسوں کی حیثیت مسلمانوں کی کانفرنس کی بھی ہو جائیگی اور ان میں جان پڑجائیگی جو ابتک محض نہیں ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

يُوفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنقُضُونَ الْمِيثَاقَ

المیثاق

اَشْهَدُ بِاللہِ اللہ کے سامنے ایک مسلمان
کی حیثیت سے جسکے ہادی حضرت محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ہیں سچے دل سے یہ عہد
کرتا ہوں (کرتی) کہ آج سے اپنی حتی المقدور
زندگی میں قرآنی ہدایت پر عمل کرنے کی پوری پوری
کوشش کرتا رہونگا (رہونگی) اور قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنے
کی عادت کرونگا (کرونگی) تاکہ عمل صالح پر قائم رہ سکوں
اور صدق اور راستبازی سے ہمیشہ ...
نیز اپنے متعلقین کو بھی اسی طرح عمل کرنے کی ہدایت
کرونگا (کرونگی) بلکہ ان کے اعمال پر حتی الامکان نظر
رکھونگا (رکھونگی) اور خود اپنے صحیح عمل سے انکی رہنمائی
کرتا رہونگا (کرتی رہونگی) اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے

(۱) قرآن کو معہ ترجمہ شروع سے آخر تک
کم از کم ایک مرتبہ اس زبان میں پڑھونگا (پڑھونگی) جسکو
میں بخوبی سمجھتا (سمجھتی) اور اپنے متعلقین کو نیز ان کو
جن پر میرا اثر ہے قرآن مجید سمجھانے کی
کوشش کرونگا (کرونگی)

(۲) فرائض اسلام (خصوصاً نماز
روزہ حج زکوٰۃ) کی تعمیل کی کوشش کرونگا (کرونگی)

(۳) حصول علم و درستگی اخلاق میں بھی
کوشاں رہونگا (رہونگی)

(۴) رذائل اخلاق مثلاً جھوٹ
مکر و فریب ۔ غیبت ۔ بہتان ۔ حسد
کینہ ۔ غصہ ۔ طمع ۔ عجب ۔ بخل

اور اس کام میں جس کے اندر
امور مندرجہ حاشیہ بھی شامل
ہیں میری مدد فرمائے آمین

العبد ....

پورا نام ....

....

پتہ ....

....

شاہد ....

....

اسراف وغیرہ سے اجتناب کرونگا / کرونگی

(۵) خود غرضی یا کسی اور بناء پر
ناجائز طریقہ سے کسی کو نقصان
نہ پہونچاونگا / نہ پہونچاونگی

(۶) قومی - اسلامی - اخلاقی و اصلاحی
کاموں میں حتی الامکان حصہ لونگا / لونگی
اور اپنی زندگی اس طرح بسر کرونگا / کرونگی
کہ وہ دوسروں کے لیے مفید ہو اور موجب
خوشنودی پروردگار ہو —

(۷) رات کو سونے سے قبل یا کسی اور
وقت فرصت میں اپنے تمام دن کے
اعمال کا محاسبہ کرونگا / کرونگی اور اپنی
برائیوں پر خصوصیت سے نظر
رکھونگا / رکھونگی

مسلمانوں کی گمراہی

انسان کو عقل اس لیے نہیں دی گئی کہ محض حیوانیت میں پڑا رہے بلکہ اس کمتر اور گمراہ کن طریقہ کو ترک کر کے انسانیت کے بلند مدارج کو حاصل کر سکے۔ عقل سے نفس کو پاک کرے نہ کہ اس کی برائیوں پر خوشنما پردہ ڈالنے کی فکر کرے۔

جب اس خیال سے اپنے دل کے اندر دیکھتا ہوں تو مجھے معلوم ہوتا ہے کہ کن خواہشات میں مشغول یا مسرور رہا ہوں۔ اور کن جذبات کی مدد سے میں ان سے علیحدہ ہو کر فوقیت کا دعویٰ کرتا ہوں۔

اگر نفسانی خواہشات اور جذبات کا تابع رہوں تو پھر انسان کہاں رہا۔ اس لیے فطرتاً میں یہ چاہتا ہوں کہ ایسی خواہشات اور جذبات کو مقید کر کے عقل کا تابع کر دوں۔ اور خود ان کا حاکم بنا رہوں۔ تمام دنیا کے حکماء اس پر متفق ہیں اور ہمارے قرآن مجید کا تاکیدی حکم بھی یہی ہے کہ ہم نفسانی خواہشات کے بندے نہ بنیں۔

لیکن کیا یہ ممکن ہے اگر ہم سچے دل سے متواتر کوشش نہ کرتے رہیں نفس کو شرافت، محض ظاہری افعال سے حاصل نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ ہمارا ہر فعل اس نیت سے اور اس طریقہ سے عمل میں نہ آئے جو شریفوں کا ہوتا ہے۔ اگر ہم اچھا لباس پہن کر۔ اچھے مکان میں رہ کر۔ اچھی سوٹیں سوار ہو کر اپنی وضع قطع کو یوروپین طرز پر لا کر اپنے اندرونی خیالات اور خواہشات کی صفائی اور آراستگی نہ کر سکیں مثلاً اگر ہم کسی سے جھوٹ بولدیں۔ جھوٹا وعدہ کرلیں۔ ناجائز نفع حاصل کرنے کی غرض سے کسی کو دھوکہ دیدیں۔ کسی سے کوئی چیز غلط واقعات کے اظہار سے حاصل کرلیں۔ کسی پر الزام لگا کر نقصان پہنچانیکی فکر کریں۔ ملازمت میں کسی پر ترجیح پانے کے لیے غلط واقعات کا اظہار کریں یا کسی ناجائز تمتع حاصل کرنے کی فکر کریں تو کیا ہم باوجود اپنے قبیح اعمال کے اپنے آپ کو شریف کہہ سکینگے؟ ہر انسان اپنے اعمال پر نظر ڈال کر اپنے دل سے یہ سوال کرے کہ کیا حقیقت میں میں شریف ہوں یہ سب سے بہتر طریقہ ہے اسکو اختیار کرو تو اصلاح شروع ہوجائیگی میں اپنے ذاتی تجربہ سے یہ کہہ رہا ہوں۔ قرآنی ہدایت پر عمل کرنیکی نصیحت جب میں اور دوسروں کو کرتا ہوں تو یہ غرض نہیں ہے کہ میں مقدس سمجھا جاؤں

مجھے خوب معلوم ہے کہ مجھ میں کیا کیا نقص ہے۔ اسکو سمجھنے سے ہی
دوسروں کی حالت کو بھی سمجھتا ہوں ۔

مقدس بزرگوں کا لباس اختیار کرنا ہمیشہ قرآن و حدیث
کا تذکرہ کرنا یہ محض بیکار ہے اگر عمل نہ ہو۔ اور خصوصاً اگر اسکے
ساتھ ہی کبھی مصلحت آمیز جھوٹ بھی بول دوں۔ کبھی کسی کی غیبت
بھی کروں۔ اور اپنے بھائی کی شکایت کرکے معاش میں حصہ
پانے سے اس کو محروم کرا دوں۔ عیش و نمائش کی خاطر فضول
اخراجات کرتا رہوں اور قرض لیتا رہوں (جسکی ادائی کا دل
میں خیال اگر کبھی آیا بھی ہو تو ملتوی ہوتا رہے۔) غرض دوسروں
کو تو وعظ سناؤں اور خود اس کے خلاف عمل کروں تو کیا
میں اس قرآنی ارشاد کا مصداق نہ ہونگا

مثل الذین حملوا التوراۃ	عالم بے عمل کی مثال ایسی ہے کہ گویا
ثم لم یحملوھا کمثل	بوجھ اٹھانے والا گدھا ہے کہ اس پر
الحمار یحمل اسفارا	بوجھ لادا گیا ہے ۔

میں اس سے بہت ڈرتا ہوں اور وہ تصویر جو مصور

حقیقی لئے سورۂ منافقون میں کھینچی ہے اس کا بھی خوف
دل میں ہے۔

جب میں عہدہ پر تھا ہمیشہ یہ خیال کرتا تھا کہ کوئی شخص
کسی عہدہ پر رہ کر اگر کچھ مایہ الاحتظاظ قبول کرلے یا طرفداری
سے خلاف انصاف کوئی فیصلہ صادر کردے یا اپنے یا متعلقین
کے فائدہ کے مدنظر سرکاری نقصان کو کوئی چیز نہ سمجھے اور اپنے
ناجائز عمل کو چھپانے کی کوشش میں کامیاب بھی رہے تو کیا وہ
واجب التعظیم ہوگا کیا وہ شریف ہونے کا دعویٰ کرسکیگا۔

جب سے کہ میں نے قرآن پاک پر غور کرنا شروع کیا تو ان
سب نتائج کو تقویت ہوگئی جو عقل نے ظاہر کیے تھے اور مجھے یقین
ہوگیا کہ قرآن شریف سب سے اکمل الحکمت ہے نیز یہ کہ اس میں
ہدایت اور شفاء اس شخص کے لیے ہے جو اپنے عمل کو اس کے مطابق
رکھے ایسے شخص کے لیے کوئی خوف نہیں ہے وہ کسی سے نہیں ڈرتا
اور نہ اپنی غرض کے حاصل کرنے کے لیے کسی کے سامنے سر جھکاتا ہے
ہر وقت اس کے سامنے اسوۂ حسنہ موجود ہے۔

انسان کو غلط راستوں سے بچا کر سیدھے راستہ پر لانے کے لیے

اور سچائی اور نفس کی پاکی سکھانے کے لیے اور عقل پر روشنی ڈالنے کے
لیے اور دل کو قوی کرنے کے لیے ہماری کتاب بھیجی گئی ہے اور وہ
اپنا کام کرتی ہے بشرطیکہ ہمارے دلوں پر قفل نہ ہو۔

پس سوال یہ ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو غلط کاری سے
کیوں نہیں باز رکھتے؟ یہ موجودہ تعلیم و تربیت کا نقص ہے
اور بلا تامل میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کو
اپنے مذہب کا احساس نہیں ہے اور وہ یہ نہیں جانتے کہ مذہب اخلاقی
ہے وہ یہ نہیں سمجھتے کہ قرآن شریف اخلاقی پند نامہ ہے اور بعض تو
اس کے وعدوں اور دھمکیوں کو صحیح بھی نہیں سمجھتے اور ان کی
آنکھوں بلکہ دلوں پر تاریکی کا پردہ ہے۔

یہ حالت دیکھ کر مجھے بار بار یہی خیال آتا ہے کہ کیوں
ہمارے علماء اور مشائخ اور نئے تعلیم یافتہ حضرات سب
ایک ہو کر موجودہ خرابی کو رفع کرنے کی فکر نہیں کرتے۔ کیا وہ
بھول گئے کہ ہمارے پیشوا کا روزانہ کام کیا تھا؟ کیا وہ رسمی
وعظ اور سالانہ تقاریب ہی کو باعث برکت سمجھتے تھے یا روزانہ
محنت کو مقدم سمجھتے تھے جو قوم کو نیکی اور پاکی کی شاہراہ پر لائی تھی

ان کو ہمارے لیے اسوہ حسنہ کیوں کہا گیا ہے وہ ہمارے لیے کن کاموں میں نمونہ بن سکتے ہیں؟ کیوں ہم ان ہی لوگوں کی تقلید کو اپنے لیے باعث فخر سمجھتے ہیں اور ان کی تقلید کو غیر ضروری؟

مسلمانوں کو فخر کرنا چاہیے کہ قدرت نے ان کو ایسا ہادی اور پیشوا عطا کیا جس نے دین کی قوت سے دنیا کو کامیابی کے ساتھ چلانے کا طریقہ پہلی دفعہ انسان کو سکھایا۔

وہ طریقہ اب یورپ کو سبق دینے کے لیے موجود ہے اور یورپ کی نظر اس طرف جا رہی ہے ہر مسلمان اپنے آپ کو ذرا غور سے دیکھے ہاتھ میں قرآن مجید ہے آنکھوں میں اسوہ حسنہ ہے۔ راستہ سیدھا اور صاف اس کے سامنے ہے۔ پس کیا وہ قرآن کو ایک طرف ڈال کر اسوہ حسنہ سے آنکھ پھیر کر سڑک کے بازو کبھی ادھر کبھی اُدھر کچرے میں چھوٹے چھوٹے سکے ڈھونڈتا رہے تاکہ ان سے اپنی ذلیل خواہشات کا حظ حاصل کرے یا وہ کام کرے جو قرآن مجید نے اور اس کے اعلیٰ عامل نے سکھایا ہے۔

أَفَمَنْ يَمْشِي مُكِبًّا عَلَىٰ وَجْهِهِ أَهْدَىٰ أَمَّنْ يَمْشِي — جو ٹیڑھا راستہ چل کر منہ کے بل گرتے ہیں کیا وہ ہدایت کے راستہ

سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ پر ہیں یا وہ جو صراط مستقیم پر چلتے ہیں

مجھے یقین ہے کہ اگر قرآنی تعلیم نہ محض رسمی بلکہ حقیقی ہو اور ہر مسلمان قرآنی ہدایات پر عمل کرتا رہے تو بہت جلد مسلمانوں کی حالت سنبھل جائیگی اور انہیں وہی عروج و کمال حاصل ہو جائیگا جو کہ پچھلی صدیوں میں حاصل تھا۔

اگر جان بوجھ کر مسلمان اپنی کمزوریوں کو دور نہ کرے تو وہ مسلمان ہی نہیں ہے۔ اور میں یہ بھی کہونگا کہ اسلامی اخلاق جو قرآن شریف میں واضح طور سے بتا دیے گئے ہیں (جن کے بغیر انسان شریف نہیں سمجھا جا سکتا) اگر ان سے کوئی اعراض کرے تو وہ کیونکر شریف کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے۔

جن مذاہب میں اخلاق پر اشارہ نہیں دیا گیا ہے اور جن فرقوں میں اخلاق کا قانون مذہب سے جدا ہے وہاں بھی تو یہی معیار شرافت کا رکھا گیا ہے۔ وہاں بھی تو نیکی اور بدی سے ہی انسان جانچا جاتا ہے۔

یورپ جس کے مکروہات کی تقلید کو آج کل ہم اپنے لیے فخر

سمجھتے ہیں وہ بھی تو انسان کو اسی پیمانہ سے ناپتا ہے اگرچہ آجکل
وہ گمراہ ہے۔ بدکاریں ڈوبا ہوا ہے زیادہ تر حیوانیت کا تابع ہے
خود غرضی کو اپنا مذہب بنائے ہوئے ہے۔ تاہم اس کے دماغ
کا وہ حصہ جو اصلی خوبیوں کو رکھ سکا وہ زمانہ حال کی خرابیوں سے
متنفر ہے اور مذہبی جذبات سے خالی نہیں ہے بلکہ ایک خالص۔
صادق۔ وسیع۔ ممکن العمل۔ موثر مذہب کی تلاش میں ہے جو اس
زمانہ کی خرابیوں کو دور کرنے کی قوت رکھتا ہے۔ اور اس کی نظر
الحمدللہ اسلام کی طرف آرہی ہے چنانچہ اس کے بعض
سربرآوردہ اشخاص نے صاف الفاظ میں یہ خیال ظاہر کر دیا ہے
کہ اسلام ہی یورپ کو تباہی سے بچا سکتا ہے۔

اس سے ہم مسلمانوں کو سبق لینا چاہیے اور یورپ کے سامنے
اپنے عمل کو اس شکل میں پیش کرنا چاہیے جو قرآن میں ہے۔ ابتک یورپ
جو مسلمانوں کے عمل کو دیکھ کر اسلام کی تحقیر و توہین کرتا تھا۔
الحمدللہ اب قرآن مجید کے مضمون سے واقف ہو کر مسلمانو
کی توقیر کرنے کو تیار ہے۔

کیا ہم اس سے فائدہ نہ اٹھائیں؟ کیا ہمارا سب سے اہم فرض

نہیں ہے کہ اپنے عمدہ اعمال کو لیے ہوئے اپنی اصلی وجاہت کیساتھ
یورپ کے سامنے آئیں نہ یہ کہ اس کے ادنیٰ اور شوکی اشغال یا طریقوں
سے اپنی آرائش کر کے یہ امید رکھیں کہ وہ ہماری قدر کرے گا۔

ایک بڑے انگریز آفیسر نے ایک دفعہ مجھ سے ہنستے ہوئے
یہ کہا تھا کہ انسان سر پر کوئی بھی ٹوپی رکھ لے سکتا ہے لیکن سوال یہ ہے
کہ سر کے اندر کیا ہے۔

کیا اب بھی ہم جھوٹی تقلید کو نہ چھوڑیں گے؟ کیا اب بھی اسلامی
اصولوں کی پابندی سے اپنی قوت کو نہیں بڑھائیں گے؟ کیا اب بھی
دوسرے قوموں کی عمدہ صفات کو لیکر ان کی برائیوں سے نہیں بچیں گے؟

یہ یاد رکھو کہ اسلامی اصول اور اسلامی طریقے پر قائم رہکر اپنے
اسلامی جذبات کو بڑھاتے ہوئے ہم دنیا کے سب علوم و فنون کو
سیکھ سکتے ہیں۔ دنیا کے سب کام کر سکتے ہیں۔ اور پھر دنیا کے سامنے
اسی عظمت و شان سے آسکتے ہیں جو پہلے دنیا دیکھ چکی ہے۔ کیا کوئی
مسلمان ایسا ہے (خواہ وہ کسی طبقہ کا ہو) جو یہ نہیں جانتا؟ اس سے
کسی کو کبھی انکار نہیں ہو سکتا۔

ہر مسلمان اپنے دل میں اور اپنے متعلقین کے دلوں میں سچے اسلامی

خیالات و جذبات کو محفوظ کرنا جائے اور ان طریقوں سے اجتناب کرے جو آجکل تہذیب و ترقی کو بدنام کر رہے ہیں تو پھر ہمارے دل و دماغ میں یہ آواز گونجنے لگیگی وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ۔ جس آواز نے ایک زمانہ میں دنیا کو ہلا دیا تھا۔

میری رائے میں اسکی بھی سخت ضرورت ہے کہ ہم اپنی عورتوں کی تعلیم و تربیت کی طرف خاص توجہ کر کے اُن کو ان خطروں سے بچائیں جو آج کل پیدا ہو رہے ہیں۔ قوم کی اصلی تربیت عورت کے اختیار میں ہے فطرت نے ماں کو ہی بچہ کی پرورش۔ حفاظت اور ابتدائی تربیت کا ذمہ دار بنایا ہے۔ ماں کی طبیعت اور عادت کا اثر بچہ کی طبیعت میں ضرور آتا ہے جیسی مائیں ہونگی ویسی قوم ہوگی۔

جس زمانہ میں ہماری عورتیں عام طور سے جاہل ہونے پر مذہبی احساس زیادہ رکھتی تھیں اور اچھے برے کا تعلق ان کے دل میں مذہب ہی سے تھا اور اللہ و رسول کی باتیں ہمیشہ ان کی زبان پر رہتی تھیں اور جو اثر بچوں کے دلوں پر ہوا کرتا تھا وہ بھی یاد ہے لیکن اب ویسا اثر بچوں کے دلوں پر نہیں ہے۔

اس سے قوم کو بڑا نقصان پہنچ رہا ہے۔
اب جو عورتیں اپنے آپ کو تعلیم یافتہ سمجھتی ہیں اُن کے لیئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اسلامی معلومات کو بڑھائیں۔ اپنی کتاب کی عظمت کو دل میں رکھیں اسکی روشنی سے اپنا راستہ معلوم کریں اور علم و عمل سے قوم کو تباہی سے بچانے کی کوشش کرتی رہیں تب وہ تعلیم یافتہ سمجھی جا سکتی ہیں نہ کہ یورپین لباس کے اختیار کرنے سے یا بال کٹوا دینے سے یا ہونٹوں پر مصنوعی سرخی کے اضافہ سے۔ یہ سب ہنسی کی باتیں ہیں اور ذلیل ہونے کے طریقے ہیں ان کو حقیقی ترقی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ہمارے افلاس کا علاج

لَا تُسْرِفُوْا	اسراف نہ کرو
اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ	خدا تعالیٰ اسراف کرنیوالوں کو دوست نہیں رکھتا
اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ	فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔

حکیم مطلق اور خالق کائنات نے اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر مخلوق کی ہدایت کے لیے قرآن مجید نازل فرمایا۔ وہ ہمارے لیے دستور العمل حیات ہے۔ اس میں جو ہدایتیں فلاح کے لیے کی گئی ہیں تجربہ سے ثابت ہے کہ ان پر عمل کرنے سے زندگی کے معاملات میں کامیابی حاصل ہوتی ہے اور ان سے غفلت یا اعراض کرنے سے ہماری زندگی خراب ہوتی ہے۔ کیا ہم نہیں دیکھتے کہ ہماری بے اعتدالی اور فضول خرچی ہم کو تباہ کر رہی ہے اور دوسری قوموں کے سامنے اس وقت ہم ذلیل ہیں اور وہ ہم کو کمزور سمجھتے ہیں۔

اس بارے میں کئی سال سے غور کر رہا ہوں اور مسلمانوں کے حالات جو تقریباً چالیس سال سے میری نظر سے گذرتے رہے ہیں اُن کو جب کبھی میں نے اس خیال سے دیکھا کہ کہاں تک وہ اصول اخلاق اور قرآنی ہدایات کے موافق یا مخالف ہیں تو اس قدر مخالف پایا کہ حیرت اور افسوس میں رہنا پڑا اور اس سے مسلمانوں کی ذلیل حالت کا ثبوت ملتا گیا نیز ان کی کمزوری کا۔

اخلاق کی درستی سے انسان انسان بنتا ہے۔ یہ خود ہماری عقل بتاتی ہے لیکن ہمارے لیے تو حسن اخلاق مذہب ہے۔ اور قرآن مجید اور اسوہ حسنہ اسی سے بھرا ہوا ہے۔

میرے اس بیان کو شاید بعض لوگ "خالی وعظ" سمجھیں اس لیے میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ اسی حیدرآباد میں ہماری آنکھوں کے سامنے سے کیسی کیسی تصویریں گذر رہی ہیں جو عقل کو اسی نتیجہ پر پہونچاتی ہیں جو قرآنی آیات سے نکلتا ہے۔

وہ بڑے خاندان جو پچاس برس پیشتر امارت اور شان و شوکت میں اُمیسوں کے مثل سمجھے جاتے تھے اور ان کے بعد وہ امرا اور جاگیردار جن کو امرائے عظام کہا جاتا تھا۔ اب اُن کے

قایم مقاموں کی کیا حالت ہے اسی طرح اور طبقے بھی جو خوشحال متمول
اور وضعدار تھے اب ان کے پسماندوں کی حالت پر نظر ڈالی جائے
تو آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ان کی کیا وقعت باقی ہے۔ یہ سب
اخلاق کی خرابی۔ عمل کی بے اعتدالی اور فضول خرچی کا نتیجہ ہے۔

ناپسندیدہ اخلاق۔ نامناسب طرز معاشرت نے فضول خرچی
سکھائی اور فضول خرچی نے قرض لینا سکھایا اور قرضہ نے افلاس کی
صورت دکھائی۔

یہ ہمارے معزز طبقوں کی پچاس سالہ تاریخ کا عبرت خیز
خلاصہ ہے۔ میں نے سنا ہے کہ عدالتوں سے قرضہ کی بنا پر جو ڈگریاں
دی جاتی ہیں ان میں سے فیصد تقریباً پون مسلمان حضرات کے
مقابلہ میں ہوتی ہیں۔

اس موقع پر میں اور دوسری بری عادتوں کا ذکر کرنا نہیں
چاہتا (آیندہ کرونگا) یہاں اسراف کے نتایج ظاہر کرنا مقصود ہے
اگر قرآنی امتناع لَا تُسْرِفُوا کا لحاظ کیا جاتا اگر شیطان کے بھائی
بننے کے الزام سے بچنے کی ہم فکر کرتے۔ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ
الشَّیٰطِیْنِ۔ تو کیوں ہماری یہ حالت ہوتی یہ سوال ہر شخص اپنے دل سے

کرے تو جواب اس کے دل سے ہی ملیگا۔

انسان کو اللہ تعالےٰ نے جو کچھ دیا ہو (خواہ وہ کم ہو یا زیادہ) اسی کے اندر بسر کرنا احتیاط اور خوش سلیقگی سے ظاہری دکھاؤ بھی اچھا رکھنا اور آیندہ کے لیے کچھ محفوظ بھی رکھنا اور دوسروں کی بھی مدد کرنا یہ سمجھدار انسان کا کام ہے۔ اور اچھی تعلیم اخلاق کو درست کرکے اعتدال کا راستہ بتاتی ہے۔

عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ جو شخص اپنی شخصیت کا صحیح اندازہ نہیں کرسکتا اور اپنے آپ کو اس سے بڑھ کر باور کرانا چاہتا ہے وہ ہر کام میں مبالغہ کا عادی ہوجاتا ہے۔ ضروری اور غیر ضروری جائز اور ناجائز میں امتیاز نہیں کرسکتا احتیاط ایک طرف عقل کی حد سے بھی تجاوز کرجاتا ہے اور مشکلات میں مبتلا ہوتا اور بالآخر ذلیل ہوتا ہے۔

فضول خرچی کا مرض آج کل سب طبقوں میں پھیلا ہوا ہے ضروریات زندگی میں تعیشات اور لغویات کو داخل کرکے ان کو ترجیح دی جارہی ہے چنانچہ اعداد مندرجہ ذیل سے اس کی تصدیق ہوتی ہے اور سمجھدار لوگ اس کا اندازہ کرسکتے ہیں کہ ملک کی کس قدر دولت مکروہ طریقوں سے ملک کے باہر جارہی ہے اور قوم

مفلس اور کمزور اور پست ہمت ہوتی جاتی ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ سنہ ۱۳۴۰ف میں دو لاکھ چھیاسی ہزار کے فلمس
کی درآمد ہوئی تھی۔ سنہ ۱۳۴۱ف میں بیس لاکھ ستائیس ہزار اور سنہ ۱۳۴۲ف
میں اکیس لاکھ تینتیس ہزار ہو گئے۔ سنہ ۱۳۴۰ف میں [illegible] لاکھ انچاس ہزار
کا تمباکو درآمد کیا گیا۔ سنہ ۱۳۴۱ف میں سترہ لاکھ چھیاسی ہزار کا اور سنہ ۱۳۴۲ف
میں سترہ لاکھ پانچ ہزار کا۔ موٹروں کی درآمد کی کیفیت یہ ہے کہ سنہ ۱۳۴۰ف
میں سترہ لاکھ چوہتر ہزار اور سنہ ۱۳۴۱ف میں چودہ لاکھ اکتالیس ہزار
اور سنہ ۱۳۴۲ف میں سولہ لاکھ اکسٹھ ہزار۔

شراب۔ پوڈر۔ سینٹ وغیرہ جو باہر سے آئے ان کی تفصیل یہ ہے
کہ شراب سنہ ۱۳۴۰ف میں پانچ لاکھ کی، سنہ ۱۳۴۱ف میں چار لاکھ نو ہزار
اور سنہ ۱۳۴۲ف میں پانچ لاکھ چوہتر ہزار۔ زیورات سنہ ۱۳۴۰ف میں نو لاکھ
تریہتر ہزار کے، سنہ ۱۳۴۱ف میں تین لاکھ چھپن ہزار کے اور سنہ ۱۳۴۲ف
میں چار لاکھ سات ہزار کے۔ عطریات۔ پوڈر۔ سینٹ وغیرہ سنہ ۱۳۴۰ف
میں تین لاکھ چھیالیس ہزار کے، سنہ ۱۳۴۱ف میں تین لاکھ اٹھانوے
ہزار، سنہ ۱۳۴۲ف میں چار لاکھ دس ہزار کے۔ الغرض تخمینات بالا سے تین سال
میں ملک کی کثیر دولت صرف ہو گئی اور سوائے افلاس کے کچھ حاصل نہ ہوا۔

یہ بھی میں نے سنا ہے کہ یہاں کے جملہ سینما کی شبانہ آمدنی تقریباً تین ہزار روپیہ ہے۔ اس طرح ہر مہینہ میں نو ہزار اور سال تمام کے دس لاکھ سے زیادہ ہوتے ہیں یعنے قوم کا اتنا روپیہ برباد ہو رہا ہے جو مفید کاموں میں صرف ہو سکتا ہے۔ پس سوال یہ ہے کہ کیا یہ حالت روا رکھنے کے قابل ہے۔ اس پر حکومت کو اور مسلمانوں کو غور کرنا چاہیے اگر سینما سے تعلیمی اغراض متعلق ہوتے تو اور بات تھی لیکن جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ سینما بحالت موجودہ عوام کے خیالات اور اخلاق کو خراب کرنے کا ایک قوی ذریعہ ہے تو یہ حالت قوم کی توجہ کے قابل ہے اور اسکی اصلاح حکومت کا اہم فریضہ ہے جو تعلیم پر لاکھوں روپیہ خرچ کر رہی ہے۔

موٹروں کی شوق کی نسبت میں یہ کہوں گا کہ وہ بعض صورتوں میں ایک قسم کا جنون ہو جاتا ہے اگر کوئی صاحب خواہ کیسے ہی متمول کیوں نہ ہوں۔ بجائے اس کے کہ رولز رائس موٹر کار خرید کر اس کو ایک سال بعد (نیے ماڈل کی خاطر) فروخت کرنا چاہیں اور نصف قیمت بھی نہیں مل سکتی کیا وہ بجائے اسکے تھوڑے کسی متوسط قیمت کی موٹر سے پانچ چھے سال تک کام نہیں چلا سکتے تاکہ اپنا روپیہ بچا کر مفید کاموں میں صرف کر سکیں

مثلاً اپنے متعلقین وغیرہ کی حالت درست کرنے میں۔

علیٰ ہذا یورپین وضع کے لباس پر بھی جو روپیہ یہاں کے لوگ بے سمجھی سے صرف کر رہے ہیں وہ بھی فضول خرچی میں داخل ہے جو لوگ شاہ لوگوں کی خدمت گزاری کو اپنے لیے فخر سمجھتے ہیں وہ پچاس روپیہ کا سوٹ ڈیڑھ دو سو میں لینا پسند کرتے ہیں اور متعدد سوٹ ہر سال بنائے جاتے ہیں ذرا غور کریں کیا یہ حماقت نہیں ہے کہ ہزاروں کے قرضدار ہو جائیں اور بالآخر مدیون ڈگری بننے کی عزت حاصل کریں۔

اگر یورپ کی تقلید کرنا چاہتے ہیں تو اس سے احتیاط اور کفایت شعاری بھی سیکھیں جس میں وہ ماہر ہے۔

چونکہ ایک زمانہ میں میں نے بھی تھوڑی فضول خرچی کی تھی (جس کو اَلْحَمْدُ لِلّٰہ پچیس سال ہو چکے) اور اس کا ناگوار ذائقہ چکھا تھا۔ لہٰذا میں ذاتی تجربہ کی بناء پر اعتراض کرتا ہوں نہ صرف اس غرض سے کہ اوروں پر الزام رکھوں۔ ہمدردی اور خیر خواہی سے اعتراض کرتا ہوں۔

قرض ایک مہلک مرض ہے اسی وجہ سے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد یہ دعا فرماتے تھے کہ یا اللہ مجھے قرض سے بچا کسی موقع پر صحابہ کرام رضؓ میں سے کسی نے یہ پوچھنے کی جرأت کی کہ حضرت ایسی دعا کیوں مانگتے ہیں تو

ارشاد ہوا کہ قرض انسان کو ذلیل کرتا ہے جھوٹا اور وعدہ خلاف
بناتا ہے۔ کیا ہر مسلمان کے لیے یہ سبق کافی نہیں ہے؟

اس مضمون کے عنوان پر جو آیات شریفہ درج ہیں اُن پر غور
کرو۔ کیا اُن کی رو سے فضول خرچی مسلمانوں پر حرام نہیں ہے؟
اپنے آس پاس کی دوسری قوموں پر نظر ڈالو پچیس سال ہوا
اُن کی حالت کیسی درست اور ہماری حالت کیسی خراب ہوتی
گئی یہ بھی ہمارے لیے ایک سبق ہے۔

مسلمان کا راستہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین۔ صلوٰۃ وسلام اس ہادی
دین و دنیا پر جن کی تیئس سالہ کوشش سے بحکم الٰہی اسلامی دنیا
وجود میں آئی۔

حضرات کرام! اس واقعہ کی یاد کو تازہ کرنے کے لیے ہم
آج یہاں جمع ہوئے ہیں اور ہماری تمنا یہ ہے کہ اس کے اثر کو اپنے
دل میں محفوظ رکھیں تاکہ ہم کو ہماری زندگی کا صحیح راستہ مل جائے
اور ہم اپنی منزل مقصود کو پہنچ جائیں۔

ایسے مبارک موقع پر تقریر کرنے کے لیے جب میرے عزیز
دوست نواب بشارت علی خاں صاحب نے مجھ سے خواہش
کی تو اگرچہ میں اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتا تھا کیوں کہ میں
نہ عالم ہوں نہ واعظ ہوں تاہم محض اس خیال سے اس کو قبول
کر لیا کہ شاید اس ذریعہ سے میں کوئی اسلامی خدمت کر سکوں

اور اس سے ان کے والد کی روح کو (جو نیک بندوں میں سے تھے اور جن کے لیے خاص جگہ میرے دل میں ہے اللہ ان کی مغفرت کرے ثواب پہونچا سکون) آج ان کی برسی ہے اور وہ اس مبارک دن میں رکھی گئی ہے جو بانی اسلام کے کام کو یاد دلانے کے لیے ہے یہ خود ان کی مغفرت کی علامت ہے۔

جس وقت بشارت علی خاں صاحب سے گفتگو ہو رہی تھی میرے دل میں یکایک یہ خیال آیا کہ مسلمان کا راستہ معلوم کرنا ہم پر واجب ہے کیوں کہ اس راستہ پر چلنے سے ہی ہم اس مقام پر پہونچ سکتے ہیں جہاں سے ہم کو اپنے ہادی کا اسوہ حسنہ اور ان کے کام نظر آسکتے ہیں۔ اس بناء پر میں اپنے خیالات کو آپ حضرات کے غور کے لیے پیش کرنے کی جرأت کرتا ہوں۔

یہاں میں آپ کو بعض یورپین اشخاص کے خیالات سنانا چاہتا ہوں جو اسلام کے متعلق انھوں نے ظاہر کیے ہیں۔ ایک مصنف نے یہ لکھا ہے کہ اسلام کو صرف مذہب نہ سمجھو ایک وسیع تہذیب و تمدن پر یہ نام حاوی ہے۔ ایک دوسرے نے

کہا ہے کہ عربوں کو صرف ایک مشرقی قوم نہ سمجھو ان کے بڑے
بڑے کام مغرب میں ہوئے۔ کیا یہ اس بات کی شہادت نہیں ہے
کہ اسلام میں قوم کو بنانے اور دنیا کو چلانے کی قوت بدرجہ
اعلیٰ موجود ہے اور یہ سب قوت قرآن سے نکلی ہے اور آنحضرت
کے عمل سے دنیا پر اس کا تسلط ہوا۔ اس وجہ سے ایک یورپین
مصنف نے یہ لکھا ہے کہ روح اسلام۔ روح محمد علیہ السلام ہیں
لکھے دوسری قوم والے ہم کو یہ یاد دلاتے ہیں۔

اس زمانہ میں دنیا کی حالت جیسی کچھ ہو رہی ہے اس کو
دیکھ کر ہر مسلمان کو اپنے دل سے پوچھنا چاہیے کہ ہمارا راستہ
کونسا ہے تاکہ قوم اپنی عزت کو پہنچا سکے۔ کیا کبھی ہم کو کسی نے
راستہ بتایا تھا یا نہیں۔ اس کا جواب تیرہ سو برس سے پہلے
مل چکا تھا۔ لیکن ہم اسکو بھول گئے اور ہم ذلیل ہو رہے ہیں۔
یقیناً ہم کو اسکو راستہ بتا دیا۔ یہ ہماری کتاب میں موجود
ہے لیکن ہمارے دل سے یہ جز غائب ہے اس وجہ سے ہم
گمراہ ہیں۔ نئے راستے ڈھونڈ رہے ہیں اور دوسروں کی غلط
رہنمائی سے صحیح راستہ پانے کی امید کر رہے ہیں۔

ہمارے نظر سے اور ہمارے دل سے چھپے ہوئے ہیں۔

جو زندہ قوت عربوں کو اس کتاب نے پہونچائی تھی اور جس قوت سے دنیا کے وسیع میدان عمل میں عظیم الشان کام انجام دیئے تھے وہ اب ہمارے لیے ایک افسانہ بن گئے ہیں۔ کیوں کہ ہم اس بلندی سے گر کر پستی میں آ گئے ہیں۔

دنیا کو بنانے والی کتاب اور قوم کو عمل صالح کے سانچے میں ڈھالنے والی کتاب ہمارے پاس ہے۔ اس کا لفظی احترام ہم دور سے کر لیتے ہیں۔ لیکن نہیں یہ ہی جانتے کہ اس میں کیا ہے اور اس کی قوت دل میں آنے ہی نہیں دیتے۔ تلاوت قرآن۔ قرأت قرآن۔ ختم قرآن یہ سب رسمی اصطلاحات ہو گئی ہیں اور بے جان جملے ہیں جو کچھ اس طرح پڑھا جاتا ہے اس کو سمجھنے والے کتنے ہوتے ہیں اور اگر سمجھیں بھی تو دل میں محفوظ رکھتے ہوئے عمل میں لانے والے کتنے ہیں۔ یہ حالت نہایت افسوس کے قابل ہے۔

کسی مسلمان کی نسبت میں یہ باور نہیں کر سکتا کہ قرآنی مقاصد سے واقف ہونے کے بعد زیادہ عرصہ تک وہ غافل یا بے پرواہ رہ سکتا ہے۔ اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر اس کو میں قریب قریب

نامکمل سمجھتا ہوں لیکن حالت موجودہ یہ ہے کہ قرآن کا پڑھنا پڑھانا مسلمانوں کے پاس محض ایک رسمی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ بچوں کو اوائل عمر میں طوطے کی طرح پڑھا دینا اور سمجھنے نہ دینا اس کو ہم باعث برکت سمجھتے ہیں اور جاہلوں کو حافظ بنا دینا تاکہ وہ خالی آوازیں نکالنے کے قابل بن جائیں اور بعض مواقع پر اس سے کچھ پیسہ پیدا کرلیں۔ اس کو ہم ثواب سمجھتے ہیں! یہ حالت قابل اصلاح ہے۔

کیا ہمارا یہ برتاؤ اس کتاب کے ساتھ جائز ہے۔ جو ہم کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں لانے کے لیے نازل ہوئی تھی۔ اور جسکو سنانے اور سمجھانے کے لیے پیغمبر بھیجے گئے تھے کہ ہم اس کو سمجھیں اور اس پر غور کریں۔ اور اس پر عمل کریں۔ کتاب تو بآواز بلند کہہ رہی ہے۔ سمجھو لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ لیکن ہمارے معلمین یہ فرماتے ہیں کہ نہ سمجھو سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آواز نکالنا کافی ہے اسی میں برکت ہے۔ غور کرو کہ ایسا طریقہ جاری رکھنا جس سے مسلمان قرآن سمجھنے سے محروم رہ جائیں۔ کیا یہ جائز ہے۔ جب سے کہ میں نے قرآن شریف کو سمجھ کر پڑھنا شروع کیا۔ اور اَلحمدُ لِلّٰہ اس کو اب تقریباً بیس سال ہوتے ہیں۔ مجھے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی عظیم الشان تاریخ

کا راز اس میں ہے کیوں کہ انسان کے نفس کو پاک اور قوی بنا کر اعلیٰ درجہ کا مجاہد فی سبیل اللہ بنانے کی قوت اس کے ہر اشارہ میں موجود ہے۔ یہ ایسی کتاب ہے کہ دین کا راستہ دنیا میں بتاتی ہے اور دنیا ہی کو زندگی کی آزمائش کا میدان قرار دیتی ہے۔ اور کہتی کہ میں اور پیغمبران خدا (نذیر و بشیر) زندوں ہی کے لئے ہیں۔ اور اس مسئلہ کو بھی صاف کر دیتی ہے کہ ایمان بغیر عمل صالح کے بے جان رہ جاتا ہے اور فقط آمنّا کہنا کافی نہیں ہے۔ چنانچہ سورہ عنکبوت اس سوال سے شروع ہوتا ہے کہ کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر آمنّا کہدیں گے تو بغیر امتحان کے چھوڑ دیے جائیں گے۔ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ضرور اس کا امتحان لیگا جیسا کہ پچھلی قوموں کا امتحان لیا تھا۔ اور یقیناً اس کو معلوم ہو گا کہ سچے کون تھے اور جھوٹے کون۔ اس سے ثابت ہے کہ ایمان کی صداقت کا امتحان عمل صالح سے ہی ہوتا ہے۔

ایسی حالت میں کیا ہمارا سب سے بڑا فرض یہ نہیں ہے کہ قرآنی ہدایات کو سمجھ کر ان سے قوت حاصل کرنے کی فکر اور کوشش کریں تاکہ امتحان میں کامیاب ہوں۔

مجھے امید ہے کہ اب آپ سمجھ جائیں گے کہ میرا یہ بیان صحیح ہے
یا غلط کہ ہم کو زندگی کا راستہ قرآن سے ملتا ہے اور یہ بھی سمجھ
سکو گے کہ اسی قوت کو لیکر اسی راستہ پر چلنے سے عرب کس طرح چند
ہی سال کے عرصہ میں دنیا پر غالب آنے کے قابل بن گئے تھے۔ یہ
وہ واقعہ ہے جس پر یورپ ابتک حیرت کر رہا ہے۔ اور جسکے
سامنے وہاں کے اعلیٰ دماغ والے سر جھکاتے ہیں اور یہ آرزو کرتے
ہیں کہ ایسا کوئی ہادی اون کو اس وقت ملجائے۔ اور ان آفات
سے نجات دلائے جس میں وہ خود غرضی اور مادہ پرستی سے مبتلا
ہو گئے ہیں۔ آجکل قوم کو بنانے کا ذکر ہر طرف لوگوں کی زبان
پر ہے اور بعض جگہ بنانے کے نام سے قوم کو بگاڑا جا رہا ہے۔
ایسے زمانہ میں ہم مسلمانوں کو چاہیئے کہ ہر گھڑی اس پر غور کرتے
رہیں کہ تیرہ سو برس قبل ہماری قوم کس طرح بنائی گئی تھی۔ اور اس کو
ہماری تاریخ کے آئینہ میں دیکھیں۔ مسلمانوں کی ابتدائی تاریخ
قرآن کی سب سے بہتر تفسیر ہے۔ الفاظ کی تفسیر نہیں بلکہ قرآنی
اعمال کی تفسیر ہے۔ اس سے ہمارا دل روشن ہوتا ہے اور ہماری
ہمت بلند ہوتی ہے۔

اس دفعہ حج سے پہلے اور حج کے بعد کئی ہفتوں تک میں کعبہ کے سامنے بیٹھے ہوئے قرآن کی آواز پر اسلامی قوم کو بنتے ہوئے دیکھتا رہا۔ پہلے بھی حج کے موقع پر ایسا کیا تھا لیکن اس دفعہ زیادہ عرصہ تک اس کام میں مشغول رہا۔ زیادہ قوت محسوس ہوتی رہی۔ اور اس کو اپنے لیے سب سے بڑا حج قرار دیا۔ کعبہ کا پیام یہی آتا رہا کہ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا۔ اس کو میں سنتا رہا۔ اور قرآن کے آواز پر حجاز کے ریگستان سے اسلام کی فوجیں نکلتی ہوئی مجھے نظر آئیں جنھوں نے دنیا پر پھیلکر اسکو اصلاح عمل اور امن وآمان کا پیام پہونچایا۔ اور ثابت کر دکھایا کہ اصلی قوت یہی ہے جو نعمت ان کو ملی تھی اس کو تمام بنی نوع انسان کو پہونچانے کی انھوں نے انتہائی کوشش کی۔ دوسروں سے لڑنے کو وہ آگے نہیں بڑھے بلکہ اخوت کی دعوت دینے کو گئے اور غیروں کے ساتھ انھوں نے ایسا عمدہ برتاؤ کیا کہ دلوں کو اپنے طرف کھینچ لیا۔

یورپ کے بڑے بڑے مورخین نے اس کا اعتراف کیا ہے اور ایسے بعض واقعات جوش مسرت کے ساتھ بیان کیے ہیں۔

جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حکومت روما کے جنوبی مشرقی صوبوں میں جب عرب پہونچے تو وہاں کے باشندوں نے اُن کے پاس یہ پیام بھیجا کہ ہم تم سے لڑنا نہیں چاہتے۔ ہم کو معلوم ہے کہ فلاں فلاں مقام پر تم نے ہمارے مذہب والوں کے ساتھ ایسا شریفانہ سلوک کیا کہ خود اُن کے ہم قوم حکام نے نہیں کیا تھا۔ اس وجہ سے ہم خوشی سے جزیہ دیتے ہیں۔ اور بعضوں نے یہ کہلا بھیجا کہ ہم تمہارے شریک ہو جاتے ہیں۔ یہ صرف قرآنی تعلیم اور اس پر عمل کرنے کا نتیجہ تھا۔

قرآن کا حکم یہ ہے کہ دوسروں کے مذہب کو بُرا نہ کہو دین کے کام میں جبر نہ کرو۔ ہر ایک کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ۔ اِدْفَعْ بِالَّتِی هِیَ اَحْسَنُ تاکہ دشمن بھی دوست بن جائیں۔ سچے ہو۔ امانتدار ہو۔ اپنے وعدہ کو پورا کرو۔ فضول خرچی نہ کرو اور نیک قول و فعل پہ قایم رہو۔

اسلام کی فتحیابی کا راز مادی قوت نہیں بلکہ اسکی اخلاقی قوت ہے دنیا کی تاریخ میں پہلی دفعہ اسلام نے یہ ظاہر کر دیا کہ روحانی قوت سے جسمانی قوت پیدا ہوتی ہے جو تمام دنیا پر غالب آسکتی ہے۔ کیا کوئی سچا مسلمان اس سبق کو بھول سکتا ہے جس وقت تک کہ ہم

اس کو بھولے بیٹھے رہیں گے اس وقت تک ہم سچے مسلمان نہیں ہونگے
اور کمزور رہیں گے۔ سچے مسلمان بننے کے لیے یعنے دنیا میں کامیاب
رہنے کے لیے ہم کو پھر قرآن کی طرف آنا ہے اور ایمان و عمل صالح کی
روحانی قوت کو ہزار بری اور بحری اور ہوائی فوجوں سے بڑھ کر
سمجھنا ہے کیونکہ ہمارے لیے کوئی دوسرا آزمایا ہوا راستہ نہیں ہے۔

اس موقع پر آپ کو اس تحریک کی طرف توجہ دلاتا ہوں جو چند
سال قبل میں نے پیش کی تھی۔ کہ ہر مسلمان اپنے دل سے سچا وعدہ کرے
کہ قرآن کو کسی اچھے ترجمہ کے ذریعہ پڑھ کر سمجھے گا۔ اور اس پر عمل کرنے کی
کوشش کریگا۔ اور اپنے متعلقین کو بھی اسی راستہ پر لانے میں غفلت
نہ کریگا۔ قرآن کا ترجمہ اب اردو زبان میں ایسا مل سکتا ہے کہ
اس کو ہر شخص سمجھ سکے۔ اور قرآن کے وہ احکام اور ہدایات جو چال چلن
سے متعلق ہیں ایسے آسان ہیں کہ ایک بچہ بھی اون کو سمجھ لیگا۔ اس لیے
یہ کام میری رائے میں ویسا مشکل نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ خیال کرتے
ہیں۔ ہر شخص اپنے گھر میں یہ کام کر سکتا ہے اور ہر گھر میں ہر مسجد میں
اور ہر درگاہ میں یہ کام ہونا چاہیئے۔ شاید میرا یہ خیال غلط نہیں ہے
کہ درگاہوں کو معافیاں اسی غرض سے دی گئی تھیں کہ قرآنی تعلیم وہاں

جاری رہے کیا اس شرط کی تکمیل ہو رہی ہے۔ اگر ہو رہی ہوتی تو اضلاع کے مسلمانوں کی شاید وہ حالت نہ ہوتی جواب ہے۔

پس اس طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ ہر اصلاحی انجمن توجہ کرے گی اور جلد نتیجہ بتائے گی۔

مسلمانوں میں جیسے جیسے غفلت اور ضروری کاموں کو چھوڑ کر بیٹھے رہنے کی عادت بڑھتی گئی (جس کو انھوں نے توکل خیال کر لیا) وہ اپنے درجہ سے گرتے گئے اور جہاں وہ پہلے قوی تھے وہیں اب وہ ضعیف ہو گئے اس سے بڑھ کر ان کی عبرت کے لیے اور کیا ہو سکتا ہے زمانہ یاد دلا رہا ہے کہ پہلے کوشش اور بعد توکل یہی ہم کو سکھایا گیا تھا۔

یہ ایک مشہور روایت ہے کہ ایک روز ایک عرب نے آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر توکل کی نسبت کچھ پوچھا تو آپ نے فرمایا پہلے اپنے اونٹ کو باندھ دو اس کے بعد اللہ پر توکل کرو یعنی عقل سے کام لے کر وہ جو ضروری ہے اور بالآخر نتیجہ کے لیے اللہ پر بھروسہ کرو۔ یاد رکھو یہ عملی ہدایت ایسے پیغمبر کی ہے جس کو خالق نے دنیا پر حکومت کرنے کے قابل بنایا تھا۔

مدینہ منورہ میں جس کی صورت ایسا ایک ویران شہر کی

سی ہے عجیب عجیب چیزیں ہم کو نظر آتی ہیں۔ زمانہ سلف زندہ ہو کر ہمارے سامنے آتا ہے اُن کے اور اُن کے خلفاء کے کاموں کو ہم وہاں ہوتے ہوئے دیکھ سکتے ہیں۔ شہر کے ایک جانب ایک میدان ہے جہاں گھوڑوں کی دوڑ کو ملاحظہ فرمایا کرتے تھے شہر سے کچھ فاصلہ پر جبل احد ہے جہاں ایک ایسا معرکہ وقوع میں آیا تھا جس میں اسلام کی قوت کا پہلا امتحان ہوا تھا شہر کے دوسرے جانب وہ مقام ہے جہاں خندق کھدوا کر تین ہزار کی فوج سے جس میں منافق بھی شریک تھے۔ دس ہزار کی فوج کا مقابلہ کرنے کی تیاری کی تھی۔ یہ سب واقعات زندہ ہو ہو کر آنکھوں کے سامنے آتے ہیں اور ان کی تاریخ ہم کو قرآنی آیات میں ملتی ہے اور وہی تاریخ ان آیات کی حقیقی تفسیر ہے۔ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ اپنے دل سے پوچھو کہ کیا یہ قوم کی ہدایت کے لیے کافی نہیں ہے۔ یہی ہدایت یہی قوت حاصل کرنے کے لیے میں چار دفعہ مدینہ کو زیارت کے لیے گیا اور اگر عمر باقی ہے تو شاید پھر وہاں تک پہونچ سکوں انشاء اللہ۔ وہاں سے قوت لینا اور قرآنی قوت کو ان کے کاموں کی صورت میں اپنے دل میں داخل ہونے دینا یہی ان کی زیارت ہے جن کا نام جن کا کام یاد کرنے کے لیے یہ جلسہ منعقد

ہوا ہے۔ جو قوت ان کو دی گئی تھی وہ ہمارے واسطے محفوظ ہے اور غیر محدود ہے
بشرطیکہ ہم اوسکو لینے کے قابل بنیں اور قابل بننے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ
قرآن پر اور ان کی ہدایت پر سچے دل سے عمل کریں۔ زیارت کا۔ تقرب کا۔
سب سے زیادہ موثر طریقہ یہی ہے۔

کچھ عرصہ سے میں یہ خیال کر رہا ہوں اور خصوصاً مدینہ شریف سے
واپس آنے کے بعد سے کہ ہزاروں کوس کے فاصلہ پر رہکر بھی ہم اُن کے
حضور میں حاضر رہ سکتے ہیں اور اُن سے قوت لے سکتے ہیں۔ اور حضرت
جامی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر بار بار یاد آتا ہے ؎

این قالب فرسودہ گراز کوے تو دوراست

اَلْقَلْبُ عَلٰی بَابِكَ لَیْلًا وَّ نَهَارًا

لیکن صرف خیال ہی سے یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی اس کے لیے
عمل چاہیے۔ ہمارے دل کو ان کے پاس پہونچنے کا راستہ قرآن ہی سے
ملتا ہے۔ غرض جس نظر سے دیکھو قرآن ہی ہمارے لیے حقیقی اصلاحی قوت
کا ذریعہ ہے اور اصلاح سے ہی فساد کو دور کرنا ممکن ہے۔ مذہب
عقل اور تجربہ سب ہم کو اس نتیجہ پر پہونچاتے ہیں اور یہ خاص پیام
اُس دن کا ہے جس میں دنیا کے سب سے بڑے اصلاحی کام کرنیوالے کو

یاد کرنے کے لیے ہم جمع ہوئے ہیں۔ اللہ ہم کو توفیق دے آمین۔
اگرچہ یہ جلسہ ایک چھوٹا سا جلسہ ہے لیکن جو پیام یہاں سے
پھیلایا جاتا ہے وہ تمام دنیا کے لیے ہے۔ اس لحاظ سے میں یہ دعا
کرتا ہوں اور آپ سب اس میں شریک ہوں کہ اللہ تعالےٰ نے جس
بلند و رفیع مقصد کو عطا فرمایا ہے وہ ہر ملک میں ہر انسان کے دل
میں صلح کی رغبت اور فساد سے نفرت پیدا کر کے دنیا میں امن و امان
قائم کرائے اور مسلمانوں کو اپنی کتاب کی ہدایات پر اور اپنے بھیجے ہوئے
ہادی کے عمل کے اتباع پر ثابت قدم اور اس اسلامی ریاست کو ہر بلا سے
محفوظ رکھے۔ آمین۔

اسوۂ حسنہ

تقریر جلسہ میلاد النبی سکندرآباد ۱۲ ربیع الاول ۱۳۸۶ھ

حاضرینِ جلسہ! اگر اس جلسہ کو میں محض ایک رسمی جلسہ سمجھتا اور میرے دل میں خیال نہ ہوتا کہ یہ عمل کا محرک ہو سکتا ہے تو شاید اس میں شریک ہونے کی سعادت مجھے حاصل نہ ہوتی۔ لیکن اس کو عمل کا جلسہ سمجھ کر میں یہاں آیا ہوں تاکہ ایک ضروری (اور نہایت ضروری) کام کی طرف توجہ دلاؤں۔

جس مبارک نام کے ساتھ اس جلسہ کا تعلق ہے وہ عظیم الشان کام کی یاد کو تازہ کراتا ہے۔ کیا اس سے بڑھ کر اور کوئی زندہ عمل ہو سکتا ہے؟ ربیع الاول شریف کی بارھویں تاریخ کو دنیا کی تاریخ میں ایک خاص امتیاز اور شرف حاصل ہے وہ اس وجہ سے کہ اس تاریخ ایک ایسی مبارک ہستی کا وجود ظہور میں آیا جس کے ذریعہ سے قدرت نے اخلاق تہذیب۔ تمدن کا جامع مذہب قائم کر کے ایک نئی دنیا بنا دی ہے۔

مسلمان کی میراث ہے۔

جب میں یہ خیال کرتا ہوں کہ اس ایک دن میں اسلامی دنیا کی ساڑھے تیرہ سو برس کی تاریخ بھری ہوئی ہے اور جب میں اس پر غور کرتا ہوں کہ وہ ایک انسان کی چند سالہ کوشش کا نتیجہ ہے تو اسلام زندہ ہو کر سامنے آتا ہے جس کو ہم مسلمانوں کی غفلت بے پروائی اور بے عزتی نے مردہ بنا رکھا ہے۔ اس وقت یورپ کے اعلیٰ دماغوں میں یہ سوال گشت کر رہا ہے کہ یہ کیسے ہوا۔ وہ کیسا دل و دماغ ہوگا جس نے غیر ممکن کو ممکن بنا دیا۔ وہاں تو یہ ہو رہا ہے اور یہاں ہم سو رہے ہیں یا یہ کہئیے کہ مردہ اسلام کے رسومات ادا کر رہے ہیں۔

جب کہ یورپ کے بعض نامور اشخاص یہ کہہ رہے ہیں کہ اسلامی تمدن ہی یورپ کو تباہی سے بچا سکتا ہے اور اس وقت بھی ایک ایسے ڈکٹیٹر کی ضرورت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ساڑھے تیرہ سو برس پیشتر عرب میں پیدا کیا تھا۔ تو ہمارے لیے کیا یہ کافی ہے کہ ہم صرف الفاظ سن کر مطمئن ہو جائیں خواہ وہ نعت ہوں یا وعظ ہوں یا آیات ہوں۔ نہیں ان سب امور سے متاثر ہو کر ہم کو

عمل صالح کے راستہ پر پہونچنا ہے۔ وہاں پہونچکر اپنے آپ کو صحیح معنوں میں مجاہد فی سبیل اللہ محسوس کرنا ہے یعنے حق کے لیے کوشش کرنیوالا نیک نفس۔ صاحب دل۔ غیر متعصب۔ سچا۔ بے غرض۔ ہمدرد بلند ہمت بننا ہے۔ جو اپنی قوم کو جائز طریقوں سے ترقی کے راستہ پر لانے کے لیے اپنے آپ کو موزوں سمجھے۔ اور جو قانع۔ صابر شاکر ہونے کے علاوہ دلیر بھی ہو۔ اور پوری کوشش کے ساتھ ساتھ اللہ پر بھروسہ کرنیوالا بھی ہو۔ کیا یہ وہ اوصاف نہیں ہیں جو اسوۂ حسنہ کے تصور میں داخل ہیں۔

اس موقع پر میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ اسوۂ حسنہ کا ذکر قرآن مجید میں ایک ایسی جگہ آیا ہے جہاں لڑائی کا ذکر ہے اس سے ظاہر ہے کہ عمل صالح میں علاوہ زہد و تقوی کے اور کام بھی شریک ہیں۔ ہر کام شریک ہے جو اثبات حق کے لیے ضروری ہو۔ اور ہر حال میں عمل۔ عمل عمل شرط ہے نہ کہ محض خیال یا تصور یا زبانی وظیفہ۔ اس کو نہ بھول جانا چاہیے۔

اور میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ جو کوئی طریقہ مجہول ہو وہ میرے خیال میں اسلامی نہیں ہے۔

ہم کو قرآن شریف میں کام کرنے کی ہدایت ملتی ہے اور اپنے ہادی کو ہم جس کسی حالت میں دیکھتے ہیں وہ کام میں مصروف ہیں۔ رات کا بڑا

حصہ عبادت میں گزرتا ہے۔ تو وہ بھی کام ہے اور قوم کی تعلیم ہے دن تمام محنت و مشقت کے ساتھ چھوٹے بڑے ہر قسم کے کام میں صرف ہو رہا ہے تو وہ بھی قومی کام ہے اس سے قوم بن رہی ہے۔

مدینہ منورہ کی گلیوں اور میدانوں میں مجھے ان کے ایسے کام نظر آ رہے ہیں جن کو دیکھنے سے بیحد خوشی ہوتی تھی جہاں آنحضرت تشریف فرما ہو کر گھوڑوں کو دوڑا کر دیکھا کرتے تھے۔ یہ بھی اسلامی کام تھا۔ جب کبھی جبل احد کو میں دیکھتا تھا تو ان کی سپہ سالاری کا مشاہدہ کرتا تھا۔ غرض زندہ اسلام کی حرکتیں اور ان کے اشارے وہاں نظر آتے تھے اس مشاہدہ سے اور بھی زیادہ اس امر کا یقین ہوتا گیا کہ ان کی امت کے لیے غفلت میں پڑا رہنا حرام ہے۔

اتباع سنت نبوی کی بہترین صورت کیا یہ نہیں ہے کہ ہم ان کے بنائے ہوئے راستہ پر ان کے کیے ہوئے کاموں کو کرتے ہوئے چلیں یعنی نفس کو درست کر کے ہر کاروبار زندگی میں سیدھے راستہ پر سچائی کے ساتھ قدم رکھیں اور اس طرح مجموعی طور پر اپنی قوم کو ایک اعلیٰ قوم بنانے کی کوشش میں بھی وقت گزار

نہ کریں کیا ایسے کام میں وہ ہمارے پیشوا نہیں ہیں ؟ ہم کو وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ
اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ کیوں کہا گیا اور اُن کو یہ کیوں سنایا گیا۔
وَ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيمٍ ہر جلسہ میلاد النبی میں یہ خیال تازہ ہونا
چاہیئے اور کوئی نہ کوئی مفید تجویز کی جانی چاہیئے جس سے یہ غرض حاصل ہو سکے
اور سال مابعد کے جلسہ میں کیفیت پیش ہوا کرے کہ کیا کام ہوا۔
ایک اہم کام یہ ہے کہ قرآن شریف کے مضامین خصوصاً اخلاقی ہدایات
کو ہر مسلمان کے ذہن نشین کرانے کی تدبیر کی جائے تاکہ وہ اس کے دل میں رہ کر
اس کے ہر عمل پر موثر ہوں یہ سب سے پہلا ضروری کام ہے۔
کیا یہ ممکن نہیں کہ اس جلسہ کے حاضرین میں سے کوئی صاحب اس کام
کو اپنے ذمہ لیں کہ ہر سورہ کے آن آیات کا خلاصہ مضمون جن میں اخلاقی ہدایات
ہیں عام فہم اردو زبان میں مرتب کریں جو خاص کر بچوں کی ابتدائی
تعلیم کے لیے بہت مفید ہوں گے۔ کیا اچھا ہوگا کہ اگر ایسے ایک رسالہ
کی ترتیب کا جلد انتظام ہو جائے تاکہ اسی طرح دوسرے رسالے
بھی اس کے بعد سلسلہ وار شائع ہو سکیں۔ اگر آپ حضرات مجھے اجازت
دیں تو بطور ایک حقیر ہدیہ کے اس کام کے نمونہ کی تیاری کے لیے
میں فی الحال ایک سو روپیہ پیش کرنا چاہتا ہوں جو ایسے مجموعہ

کے لیے ہوں گے۔ جو میں بہت سمجھتا ہوں اور ایک خاص کمیٹی اس کا تصفیہ کرے گی۔

غالباً بعض حضرات کو یاد ہوگا کہ چھ سال قبل ایک ایسے ہی جلسہ
میں میں نے انہی امور کی طرف توجہ دلائی تھی اس کے بعد ایک دو
صاحبوں نے عمل صالح سے متعلق آیات قرآنی جمع کر کے چھوٹی کتابوں کی
شکل میں شایع کیں اور حال میں حدیث شریف سے بھی متعلق چند
ہدایتیں اخذ کر کے ایک مولوی صاحب نے ایک مفید کتاب تالیف
کی ہے جس کے کئی سو نسخے میرے پاس بھیجے ہیں جو تقسیم کیے جائیں گے۔

تقریباً تین سال پیشتر ہم چند اشخاص نے عمل صالح کی پابندی
کی غرض سے میثاق کا طریقہ مفید خیال کر کے اس پر دستخط کر دیے تھے
اور حتی الامکان اس کے شرائط کی پابندی کرتے ہیں یقیناً اوروں
کے لیے بھی یہ طریقہ مفید ہوگا میثاق کا نمونہ ہے اور مجھے امید ہے کہ
آپ حضرات اس پر خاص توجہ فرمائیں گے۔

اس کے کچھ عرصہ بعد ہم نے یہ ضرورت محسوس کی کہ ایسے حضرات کو
جو ان کاموں میں دلچسپی رکھتے ہیں جمع کر کے ایک انجمن کی صورت پیدا
کی جائے جس کا نام انجمن علم و عمل ہو۔ الحمد [illegible]
شروع ہو گیا ہے اور اس کے لیے ایک خاص مکان کا بھی [illegible] کر دیا گیا ہے۔

تاکہ ملنے کا مقام متعین رہے۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ باتیں ہوا پر اڑ جاتی ہیں جبتک ان کو قائم رکھنے کے لیے کوئی نہ کوئی تنظیم نہ ہو اور اسی طرح ایک معین مقام بھی کام کے لیے موجود ہونا ضرور ہے الحمدللہ یہ سب موجود ہے۔

یہ واقعات آپ کو سناتا ہوں تاکہ معلوم ہو کہ کچھ نہ کچھ عملی کام ہم کر سکتے ہیں اور جہاں کہیں وہ شروع ہو اس میں سب مسلمانوں کو حصہ لینا چاہیئے تاکہ وہ کامیاب ہو۔

اگر آپ معاف فرمائیں تو میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ کئی سال سے آج تک میلاد شریف کے جلسے ہوتے رہے ہیں لیکن کوئی مستقل عملی کام نہیں ہوا۔ افسوس ہے کہ ہم نے بہت وقت کھویا۔ اب ذرا بھی نہ کھونا چاہیئے کیوں کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہماری قوم کے نوجوان نیم تعلیم یافتہ اور ناتجربہ کار ہیں معلوم نہیں کہ اپنے اعلیٰ اسلامی اصول سے ناواقفیت کے باعث گمراہی کے راستہ پر غیروں کے پیچھے پیچھے کہانتک نکل جائیں گے۔ علیٰ ہذا لڑکیوں کے لیے بھی خطرہ نظر آتا ہے اور وہ اس سے بہت زیادہ ہے اس وجہ سے ہمارا فریضہ اپنی قوم کو بچانے کا اور بھی زیادہ اہم ہو جاتا ہے فوراً اس کام شروع کر دینا چاہیئے۔

میں نے آپ کا بہت وقت لیا اب ختم کرتا ہوں۔ گزشتہ سال مدرسۂ اعزہ میں میلاد شریف کے جلسہ میں طالب علموں نے چند اشعار پڑھ کر سنائے تھے جس میں سے یہ شعر آپ کو سنانے کے قابل معلوم ہوا ؎

خدایا ہر مسلمان کو عمل کی تو ہی طاقت دے
کہ دعوائے مسلمانی مسلّم ہو مسلمان کا

اس کو اپنے دل میں رکھیئے۔ اسکے بعد حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا دعائیہ شعر اس موقع پر بہت موزوں ہے ؎

یارب ایں ملکِ مسلمانی بہ امن آباد دار
در پناہِ شاہِ عادل پادشاہِ ملک و دیں

نظامت جنگ

DATE DUE
This book is due on the date last stamped. A fine of 1 anna will be charged for each day the book is kept over time.